منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۱۵)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿﴾ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿﴾﴾ (آیات ۲۲ تا ۲۵) ...... صدق اللّٰہ العظیم

میں نے گزشتہ نشست میں عرض کیا تھا کہ سورۃ الحدید کا پانچواں حصہ پانچ آیات (۲۰ تا ۲۴) پر مشتمل ہے۔ اس حصے کو ہم مزید دو حصوں میں منقسم قرار دے سکتے ہیں۔ پہلی دو آیات (۲۰، ۲۱) اپنی جگہ پر ایک مکمل مضمون کی حامل ہیں۔ یعنی انسانی زندگی کی

© rasailojaraid.co

حقیقت کیا ہے اور حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار کی نباتاتی سائیکل سے کس طرح مشابہت ہے۔ انسانی زندگی کا انجام بھی بالآخر وہی ہے جو نباتاتی حیات کا ہے۔ پودا بھی مٹی سے برآمد ہوتا ہے اور بالآخر مٹی ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ انسان کا وجودِ حیوانی بھی خاکی الاصل ہے' مٹی ہی سے بنا ہے اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جائے گا۔ گویا اس اعتبار سے ان کے مابین مشابہتِ تامہ موجود ہے۔ ہمارے اس حیوانی وجود کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا: ﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ۞﴾ (طٰہٰ: ۵۵) ''اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے' اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے''۔ چنانچہ زمین پر زندگی کے جو دو شعبے موجود ہیں' یعنی حیاتِ حیوانی اور حیاتِ نباتاتی' ان دونوں کا اسی قشرِ ارض (Crust of the Earth) سے آغاز ہوا ہے اور بالآخر یہیں پر ان کو جا ملنا ہے۔ البتہ انسانی زندگی اس اعتبار سے مختلف ہے کہ انسان کی اصل زندگی آخرت کی ہے ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِىَ الۡحَيَوَانُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ۞﴾ (العنکبوت: ۶۴) ''یقیناً دارِ آخرت ہی اصل زندگی ہے' کاش یہ لوگ جانتے''۔ اس میں ابدیت بھی ہے اور دوام بھی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پڑھا: ﴿ وَفِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۙ وَّمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٌ ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ۞﴾ ''اور آخرت میں یا تو سخت عذاب ہے اور یا پھر اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں''۔ واضح رہے کہ یہاں ''غُرُور'' ''غ'' کے پیش کے ساتھ آیا ہے' جبکہ آیت ۱۴ کے آخر پر ﴿وَغَرَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴾ ''غ'' کے زبر کے ساتھ ہے۔ ''غَرُوۡر'' فَعول کے وزن پر اسم مبالغہ ہے یعنی بہت بڑا دھوکے باز۔ جبکہ غُرور abstract noun ہے یعنی دھوکہ۔ ''مَتَاعُ الۡغُرُوۡر'' دھوکے کا سامان!''

اب اگر کسی پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ یہ دنیا تو محض دھوکے کا سامان ہے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ یہ کہ اپنی تمام تر توانائیاں تو آخرت کی نجات اور فلاح کے لئے لگائے گا' کھپائے گا۔ البتہ اپنے وقت' توانائیوں اور صلاحیتوں کا اُتنا حصہ وہ اپنے لئے'

اپنے نفس اور اہل وعیال کے لئے بھی صرف کرے گا جس قدر زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے' لیکن زندگی کا مقصود درحقیقت آخرت کو قرار دے گا۔ ایک بڑی پیاری حدیث ہے' حضور ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّمَا الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ)) ''یہ دنیا تمہارے لئے بنائی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے بنائے گئے ہو''۔ گویا یہاں پر تو ہمیں بس اسے maintain کرنے کے لئے کچھ محنت کرنی چاہئے' جس کے لئے میں نے subsistance level کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس دنیا میں رہنا ہے تو کوئی نہ کوئی چھت بھی سر چھپانے کے لئے ہونی چاہئے۔ کھانے پینے کا کوئی نہ کوئی ضروری بندوست ہونا چاہئے' تن ڈھانپنے کے لئے کپڑے ہونے چاہئیں۔ احادیث میں بنیادی ضروریات کے بارے میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اب اس میں اسراف ہو رہا ہے کہ ساری توانائیاں اسی میں صَرف ہو رہی ہیں۔ عالیشان محلات بن رہے ہیں اور عیش وعشرت کے سامان جمع کئے جا رہے ہیں۔ ڈیکوریشن پیس لا لا کر سجائے جا رہے ہیں۔ یہ سب درحقیقت اپنی ان توانائیوں' قوتوں اور اوقات کا ضیاع ہے۔ اگر مقصود آخرت ہو تو اپنی توانائیوں کو آخرت کے لئے لگانا اور کھپانا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ارشاد ہوا:

﴿سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾

یہ دونوں آیتیں (۲۰'۲۱) نسبتاً طویل تر آیات ہیں' اور ان پر ایک مضمون مکمل ہو جاتا ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے بعد کی تین آیات (۲۲ تا ۲۴) آیت نمبر ۲۵ کے ساتھ جمع ہو کر ایک پورا ایکشن بن رہا ہے۔ آیت ۲۵ میں انقلاب کا تصور آئے گا اور وہ اس سورۂ مبارکہ کا نقطۂ عروج ہے۔ اس انقلابی جدوجہد کے لئے ظاہر بات ہے تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں' جان ومال کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آتا ہے کہ انسان نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آئے۔ سرفروشی وجاں فشانی کے

© rasailojaraid.co

بغیر جانیں دیئے بغیر، خون دیئے بغیر دنیا میں آج تک کوئی انقلاب نہیں آیا۔ نظام عدل وقسط قائم کرنے کے لئے تو ان سارے مراحل میں سے گزرنا ہوگا۔ اگر حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھی صحابہ کرامؓ مستثنیٰ نہیں ہیں تو اور کون مستثنیٰ ہوسکتا ہے! حضور ﷺ کو اپنے جسم اطہر پر پتھر بھی سہنے پڑے ہیں۔ آپ ﷺ کا مقدس خون طائف کی سرزمین میں بھی جذب ہوا ہے اور دامنِ اُحد میں بھی۔ آپ ﷺ مجروح بھی ہوئے ہیں، آپؐ پر غشی بھی طاری ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سینکڑوں صحابہؓ کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، تب کہیں دین کا غلبہ ہوا ہے اور نظامِ عدل وقسط قائم ہوا ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیت ۲۵ میں جس انقلابی جدوجہد کا ذکر آ رہا ہے، یہ تین آیات گویا اس کے لئے بمنزلہ تمہید ہیں۔

رضائے حق پہ راضی رہ......

ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ تکالیف و مصائب انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔ انسان اگر کسی جدوجہد میں حصہ لئے بغیر Passive زندگی بسر کر رہا ہو تب بھی ان سے سابقہ پیش آ سکتا ہے۔ آدمی کو ہارٹ اٹیک ہوسکتا ہے، کینسر ہوسکتا ہے، کوئی اور مصیبت آ سکتی ہے، کوئی حادثہ ہوسکتا ہے، اور اس طرح اس کی جان جاسکتی ہے۔ یہ جان تو ہر حال میں جانی ہی ہے اور مصیبتوں سے بچنے کی یہاں پر کسی کے پاس کوئی ضمانت نہیں ہے، تو کیوں نہ انسان کسی اعلیٰ تر نصب العین کے لئے اپنی زندگی actively کھپائے اور اس کے لئے فی الواقع خطرات کا رسک لے۔ تو یہ تین آیتیں (۲۲ تا ۲۴) مضمون کے اعتبار سے ماقبل دو آیتوں کے ساتھ ملتی ہیں اور اپنے بعد آنے والی آیت ۲۵ کے ساتھ بھی مربوط ہیں۔

اس حوالے سے ان آیات پر دوبارہ غور کرلیجئے، اگرچہ ہم گزشتہ نشست میں ان کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ ”نہیں پڑتی کوئی پڑنے والی (کوئی مصیبت، کوئی بھی ناگوار یا تکلیف دہ صورت حال)، نہ زمین میں (کسی بڑے پیمانے پر) نہ ذاتی اعتبار سے تمہاری جانوں میں

﴿اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ﴾ ’’مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں درج ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے ظاہر کریں‘‘۔ کتاب سے مراد اللہ کا علم قدیم ہے۔ اللہ کے علم میں پہلے سے معین ہے کہ یہ ہونا ہے۔ اس کے حوالے سے میں عرض کر چکا ہوں کہ اللہ کے علم قدیم میں ہر شے پہلے سے موجود تھی' یہ وجودِ علمی ہے۔ جب وہ شے ظاہر ہوتی ہے' خارج میں آ جاتی ہے تو وہ گویا اس کا وجود ہے جس کو ہم مادی یا عملی وجود کہتے ہیں: ﴿اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿ۚ﴾﴾ ’’یقیناً اللہ کے لئے تو یہ بات بڑی آسان ہے‘‘۔

اب اس کا نتیجہ کیا نکلنا چاہئے؟ ﴿لِّکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ﴾ ’’تاکہ تم افسوس نہ کرو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے‘‘۔ ’’لَا تَاۡسَوۡا‘‘ اَسِیَ یَاۡسٰی (افسوس کرنا' غمگین ہونا) سے فعل نہی ہے۔ سورۃ التغابن کے درس میں میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ عرض کیا ہے کہ ایک تو طبعی اثر ہوتا ہے۔ کسی چیونٹی کے کاٹنے پر آپ کے ہاتھ میں جنبش ہوئی اور آپ نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا کہ یہ کیا ہوا' یہ reflex action ہے۔ اس درجے میں انسان پر کسی شے کا کوئی فوری ردعمل طاری ہو جائے تو یہ بات تسلیم و رضا کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کہ آنحضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ؓ جب عالم نزع میں تھے تو آپ ؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس پر بعض صحابہ کرام ؓ نے سوال بھی کیا کہ حضور آپ کی آنکھوں میں آنسو؟ آپ ؐ نے فرمایا: یہ تو اللہ تعالیٰ کی اُس رحمت کا ظہور ہے جو اُس نے انسان کے دل میں رکھی ہوئی ہے' لیکن ہم کہیں گے وہی کچھ جو اللہ کو پسند ہے' ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔ یہ تسلیم و رضا کا مقام ہے' یعنی راضی برضائے رب رہنا۔ کوئی شکوہ اور شکایت کا کلمہ زبان پر نہ آئے۔

رضائے حق پہ راضی رہ' یہ حرفِ آرزو کیسا؟
خدا مالک' خدا خالق' خدا کا حکم' تو کیسا!!

علامہ اقبال اس مقامِ رضا کے بارے میں کہتے ہیں۔

بروں کشید ز پیچاکِ ہست و بود مرا
چہ عقدہ ہا کہ مقامِ رضا کشود مرا!

© rasailojaraid.com

اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا معاملہ درحقیقت ایمان کے ثمرات میں سے چوٹی کا ثمرہ ہے۔ اگر کوئی تکلیف آئی ہے تو اس کا طبعی اثر تو یقیناً ہوگا‘ لیکن اس سے زیادہ آپ کے اعصاب پر اور آپ کے احساسات پر اس کی چھاپ نہ پڑنے پائے۔ آپ کا طرزِ عمل یہ ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس سے یقیناً اللہ کو کوئی نہ کوئی خیر ہی منظور ہوگا۔ ہم short sighted ہیں‘ ہم نہیں دیکھ سکتے۔ دعائے استخارہ میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ الفاظ سکھائے ہیں: فَاِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ ”یقیناً تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا“ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ ”تجھے ہر شے کی قدرت حاصل ہے‘ مجھے قدرت حاصل نہیں ہے“۔ جو بھی تیرا فیصلہ ہے میں اس پر راضی ہوں ع ”ہر کہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است!“ جو بھی کچھ میرے ساقی نے میرے پیالے میں ڈال دیا ہے وہ عین اس کا لطف وکرم ہے۔ اس کو انسان صبر وشکر کے ساتھ قبول کرے۔

نزولِ مصیبت کے وقت ﴿لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ﴾ ”جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اس پر افسوس نہ کیا کرو“ کی تلقین کے ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دے دی گئی: ﴿وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ﴾ ”اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جایا کرو“۔ ”فَرِح“ کہتے ہیں خوشی سے پھولے نہ سمانا۔ ایک ہے طبعی خوشی ہونا۔ کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو آپ کے جی کو پسند ہے‘ اس پر فوری طور پر ایک خوشی کا اظہار ہو جانا‘ یہ بھی تسلیم و رضا کے منافی نہیں ہوگا۔ لیکن اس سے انسان اس حد تک تاثر لے لے کہ خوشی سے پھولا نہ سمائے اور اس پر اتراتا پھرے تو یہ معاملہ درحقیقت فرح ہے‘ جس سے روکا گیا ہے۔ ”فرح“ کے لفظ کے اندر ہی یہ چیز موجود ہے جیسے کوئی چیز پھٹ رہی ہو ”فَـــرج“ کہتے ہیں سوراخ‘ رخنے یا خلاء کو‘ یعنی کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو۔ اسی طرح ”فـــرق“ کاٹنے والی اور علیحدہ کر دینے والی شے کو کہا جاتا ہے۔ عربی میں جو مادّے لفظی طور پر بہت قریب ہوں وہ مفہوم کے اعتبار سے بھی قریب ہوتے ہیں۔ تو فرح کہتے ہیں خوشی سے آپے میں نہ رہنا‘ پھولے نہ سمانا۔

اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ کردار

﴿وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ ''اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ اکڑنے والوں کو اور شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتا''۔ ''لَا یُحِبُّ'' اگرچہ نرم الفاظ ہیں لیکن اصل میں مراد یہ ہے کہ ایسے لوگ اللہ کو بہت ناپسند ہیں۔ یہ قرآن کا اپنا ایک اسلوب ہے کہ کسی شے کی نفی بسا اوقات سادہ انداز میں ہوتی ہے اور بسا اوقات اس کے اندر ایک زور (emphasis) ہوتا ہے۔ مُختال کا لفظ خَیل سے بنا ہے' جس کا مطلب ہے اعلیٰ نسل کا گھوڑا۔ گھوڑے کی چال کے اندر ایک تمکنت ہوتی ہے۔ جتنی اعلیٰ نسل کا گھوڑا ہوگا اس کی چال میں تمکنت اتنی زیادہ ہوگی۔ تو ''اِخْتِیَال'' کا لفظ وہاں سے لیا گیا ہے۔ آدمی کی چال ڈھال سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے' یہ کسی زعم میں ہے' اونچی ہواؤں میں ہے' اس کو کوئی غرور ہے۔ تو یہ اختیال ہے۔ اور فخر وہی لفظ ہے جو ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ''تَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ''۔ یہ فخر کرنا نسل پر ہے' حسب ونسب پر ہے' مال پر ہے' علم پر ہے' زہد و تقویٰ پر ہے۔ پھر اس کو بیان کرتے رہنا' اس کا اظہار کرنا' اللہ کو یہ چیزیں بالکل پسند نہیں ہیں۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ ''جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں''۔ یہ آیت دراصل اس طرزِ عمل اور اس ذہنیت کا منطقی نتیجہ بیان کر رہی ہے۔ اگر دنیا میں انسان کو نعمتیں ملی ہیں تو ان پر فرح' پھر اختیال اور اس کے بعد فخر' یہ تینوں چیزیں درحقیقت اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ انسان کی نظروں میں اصل قدر و قیمت اس دنیا کے مال و اسباب کی ہے۔ تب ہی تو وہ اس پر فخر کر رہا ہے۔ سورۃ الھمزہ میں ایک برے کردار کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗٓ اَخْلَدَہٗ ۝﴾ ''جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے دوام عطا کر دے''۔ مال و دولت پر جو یہ دار و مدار اور انحصار ہے تو ظاہر بات ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میرا سرمایۂ افتخار میری دولت ہے تو وہ اس دولت کو سنبھال کر رکھے گا' خرچ نہیں کرے گا۔

© rasailojaraid.co

اس لئے کہ اسی سے تو وہ لوگوں کے اوپر رعب جھاڑ رہا ہے' اسی سے تو اس کی عزت ہے۔ ہمارے اس معاشرے میں خاص طور پر یہ لعنت انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ امیر غریب کا فرق تو پہلے بھی ہوتا تھا۔ دولت مند بھی تھے اور غریب بھی ہوتے تھے' لیکن عزت کی بنیاد دولت نہیں بلکہ کردار تھا۔ مسلمان معاشرے کے اندر وہ کیفیت ہوتی تھی کہ ایک فقیر اور درویش جو کہیں بیٹھا ہوتا تھا لوگوں کا رجوع اس کی طرف ہوتا تھا۔ اسی طرح علماء کی طرف رجوع ہوتا تھا۔ ہارون الرشید کی محبوب ملکہ زبیدہ نے حج کے موقع پر ایک بہت بڑی دینی شخصیت (جو غالباً اہل بیت میں سے تھے) کی طرف لوگوں کا التفات دیکھ کر ہارون الرشید سے کہا تھا کہ اصل حکومت تو ان کی ہے جو دلوں پر حکومت کر رہے ہیں' تمہاری حکومت تو محض لوگوں کے جسموں پر ہے۔

یہ اَقدار (values) جس معاشرے کے اندر موجود ہوں تو چاہے وہاں کچھ اونچ نیچ بھی ہو' اخلاق کا دیوالہ اس طرح سے نہیں نکلتا جیسے کہ ہمارے معاشرے میں نکل گیا ہے۔ ہمارے ہاں یہ جانتے ہوئے بھی کہ فلاں کے پاس حرام کی دولت ہے' ہیروئن کی کمائی ہے' رشوت کا پیسہ ہے یا سود خوری کا معاملہ ہے' جس کے پاس دولت ہے اس کے لئے عزت ہے۔ اس کے سامنے لوگ جھکے جا رہے ہیں' بچھے جا رہے ہیں اور اچھے اچھے لوگوں کا طرزِ عمل یہی ہے تو اس سے درحقیقت معلوم ہوا کہ ہمارے ہاں اخلاق کا دیوالہ نکل گیا' اقدار (values) کا بیڑا غرق ہو گیا۔ تو یہاں ﴿اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ﴾ کے الفاظ میں دراصل یہ بات بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عزت کی بنیاد پیسہ ہے لہٰذا وہ بخل کرتے ہیں اور پیسے کو سینت سینت کر رکھتے ہیں۔ وہ اگر پیسہ خرچ کریں گے تو گویا اپنی عزت اور فخر کی بنیاد کو ڈھائیں گے۔

اس کے ساتھ ہی دوسری بات یہ کہ ﴿وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ ''اور وہ دوسروں کو بھی بخل کرنے پر اکساتے ہیں''۔ جو شخص خود بخل کرے گا وہ دوسروں کو بھی بخل کا مشورہ دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک تو بہرحال لوگوں کی نگاہ میں وہ اپنا بھی تو کوئی بھرم قائم رکھنا چاہتا ہے اور اپنے طرزِ عمل کے لئے Justification چاہتا

ہے۔ ''امر'' کا لفظ یہاں حکم کے معنی میں نہیں' بلکہ مشورہ کے معنی میں آیا ہے۔ دوسروں کو بخل کا مشورہ دینے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ بھائی کچھ عقل کے ناخن لو' کچھ سوچو' تم نے تو اپنے دونوں ہاتھ کھلے رکھے ہوئے ہیں' تمہارے ہاتھ میں تو معلوم ہوتا ہے کوئی سوراخ ہے کہ کوئی شے تمہارے پاس رکتی ہی نہیں ہے۔ تمہیں چاہئے کہ کچھ آگے کی فکر کرو' بچوں کی فکر کرو' بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں' بچوں کے لئے جائیداد بنانی ہے۔ تو بڑے ہی ناصحانہ اور خیر خواہانہ انداز میں بخل کا مشورہ دیا جاتا ہے تاکہ ہمارا بخل بھی ڈھکا چھپا رہے۔

بخل اور نفاق میں مشابہت کا ایک پہلو

یہ بالکل وہی نفسیاتی بات ہے جو میں حقیقت نفاق کے ضمن میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ نفاق جب اپنی تیسری منزل کو پہنچتا ہے تو پھر ان مؤمنین صادقین سے بغض اور دشمنی ہو جاتی ہے جو دیوانہ وار جان و مال کھپا رہے ہوتے ہیں۔ منافقین یہ سوچتے ہیں کہ ان کے اس دیوانہ وار اپنی جان و مال کی بازی لگانے سے ہماری بزدلی اور ہمارا بخل نمایاں ہو رہا ہے۔ اگر پکار آتی اور سب بیٹھے رہتے' کوئی بھی جنبش نہ کرتا تو سب برابر تھے۔ سیرتِ طیبہ میں ایک موقع پر ایسا بھی ہوا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب صلح ہو گئی ہے' اس کی شرائط طے ہو گئی ہیں' اب اٹھو اور یہیں پر قربانیاں دے دو اور احرام کھول دو تو صحابہ کرام ؓ میں سے کوئی ایک بھی نہیں اٹھا۔ یہ تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے اور میرے لئے تو تا حال ایک عقدہ ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ کی بھی صراحت نہیں ہے کہ وہ بھی اٹھے ہوں۔ کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا تو آپ ؐ دل گرفتہ اور رنجیدہ ہو کر اپنے خیمے میں چلے گئے۔ وہاں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں جو بہت مدبر خاتون تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے جا کر کہا کہ میں نے مسلمانوں سے تین دفعہ کہا ہے کہ اب اٹھو' احرام کھول دو اور قربانی دے دو' لیکن کوئی نہیں اٹھ رہا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ ؐ انہیں کچھ نہ کہئے' بس آپ قربانی دے دیجئے اور اپنا احرام کھول دیجئے۔ جب آپ ؐ نے باہر آ کر یہ کام کیا تو سب کھڑے ہو

© rasailojaraid.c

گئے اور آپ ﷺ کی اتباع میں قربانی کے جانور ذبح کرنے لگے اور احرام کھولنے لگے۔ میری تاویل یہ ہے کہ وہ کچھ حالت منتظرہ میں تھے کہ شاید ابھی کوئی نئی صورت پیدا ہو جائے' شاید اللہ ابھی ہمارا امتحان ہی لے رہا ہو! اس لئے ایک عجیب سی حالت منتظرہ طاری ہو گئی تھی کہ کوئی بھی نہیں اٹھا۔ لیکن اِس وقت یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ جب کوئی نہیں اٹھا تو سب برابر ہو گئے۔ اگر کچھ لوگ اٹھ جاتے اور کچھ بیٹھے رہ جاتے تو جو اٹھ گئے ہوتے اُن کا ایک مرتبہ واضح ہو جاتا کہ یہ نبی ﷺ کی پکار پر فوراً لبیک کہنے والے ہیں اور جو بیٹھے رہ گئے وہ گویا کہ تربّص وانتظار میں ہیں۔

منافقین کو یہی غصہ آتا تھا کہ جب اللہ کی راہ میں نکلنے کا حکم آتا ہے' ﴿اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ کی پکار آتی ہے تو یہ بے خوف وخطر نکل پڑتے ہیں۔ یہ کچھ سوچتے ہی نہیں' اپنا نفع ونقصان دیکھتے ہی نہیں' کوئی اندیشے' کوئی خطرات ان کے پاؤں کی بیڑی نہیں بنتے۔ موسم کو نہیں دیکھ رہے کہ شدید ترین گرمی کا موسم ہے۔ یہ نہیں دیکھ رہے کہ شیر کے منہ میں جا رہے ہیں' سلطنت روما کے ساتھ ٹکر لے رہے ہیں ؏ ''بازی بازی باریش بابا ہم بازی!'' غزوۂ تبوک سے پہلے جو بھی جنگیں ہوئی تھیں وہ اندرونِ ملک عرب ہوئی تھیں' لیکن اب سلطنت روما کے ساتھ ٹکراؤ تھا جس کی لاکھوں کی Standing Armies تھیں۔ اور غزوۂ موتہ کے اندر بھی یہی ہوا کہ تین ہزار گئے تھے جن کا ایک لاکھ سے ٹکراؤ ہو گیا جبکہ ایک لاکھ فوج مزید موجود تھی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ دو لاکھ کے ساتھ ٹکراؤ ہوا تھا۔ بہرحال غزوۂ تبوک کے موقع پر جب نفیر عام آئی تو جن میں ایمان صادق تھا وہ نکل کھڑے ہوئے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ تو دراصل یہ حقیقت ہے کہ جو شخص خود بخل کرتا ہے وہ دوسروں کو بھی بخل کا مشورہ دے گا۔ جو خود آگے نہیں بڑھنا چاہتا وہ دوسروں کو بھی نہ صرف آگے بڑھنے کا مشورہ نہیں دے گا بلکہ انہیں آگے بڑھنے سے روکے گا۔ سورۃ الاحزاب میں جنگ کے کام میں رکاوٹیں ڈالنے والے منافقین (اَلۡمُعَوِّقِیۡنَ) کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ ﴿هَلُمَّ اِلَیۡنَا﴾ ''آؤ ہمارے پاس!'' بس یہیں پر بیٹھے رہو! کہاں جا رہے ہو؟ کیوں خطرات مول لیتے ہو؟ تو یہ ہے

وہ بات کہ وہ خود بھی بخل سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل ہی کا مشورہ دیتے ہیں۔

اللہ غنی اور حمید ہے

﴿وَمَنۡ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ﴾ ''اور جو کوئی پیٹھ دکھائے گا (روگردانی کرے گا' یہ سب کچھ سن کر بھی نہ انفاق پر آمادہ ہوگا نہ جہاد کے لئے تیار ہو گا) تو (وہ سن رکھے کہ) اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے''۔ وہ غنی ہے' اسے کسی کی احتیاج نہیں ہے' کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ شریک نہیں ہوگا تو یہ کام نہیں ہوگا۔ اسے کسی کی حمد و ثنا کی بھی کوئی احتیاج نہیں ہے' وہ اپنی ذات میں خود محمود ہے۔ اللہ تو غنی اور حمید ہے۔ اگر تم نہیں آؤ گے تو اللہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ ﴿اِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَـكُمۡ﴾ اس آیت پر سورۂ محمدؐ ختم ہوتی ہے۔ ''اگر تم روگردانی کرو گے' پیٹھ دکھاؤ گے تو اللہ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے''۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔

تو یہاں وہ پانچ آیات مکمل ہوگئیں جن کو میں نے قبل ازیں ایک حصہ قرار دیا تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیسرے رکوع کی پہلی دو آیات (۲۰'۲۱) کو ایک مستقل حصہ مانا جائے' جن میں حیاتِ دنیوی کے ناگزیر مراحل' حیاتِ دنیوی کی اصل حقیقت' انسانی زندگی کے سائیکل کی نباتاتی سائیکل سے مشابہت و مماثلت اور آخرت کی اصل اہمیت بیان کرنے کے بعد مسابقت الی الجنت کی دعوت دی گئی۔ وہ اپنی جگہ ایک مکمل مضمون تھا۔ اس کے بعد ان تین آیات میں یہ مضمون آ گیا کہ دنیوی مصائب و مشکلات اور تکالیف سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

اس منتخب نصاب کے حصہ پنجم میں سورۂ آل عمران کی آیات کے درس میں یہ بحث آ چکی ہے کہ یہ مشکلات و مصائب اور آزمائشیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے آتی ہیں کہ ایک تو تمہارے اندر اگر کہیں کوئی کھوٹ ہے تو وہ ڈھل جائے' تم پاک و صاف

© rasailojaraid.c

ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہیں پورے طریقے سے زرِ خالص بنا دے۔ ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (آل عمران: ۱۴۱) ''اور تاکہ اللہ اہل ایمان کو بالکل پاک وصاف کردے''۔ پھر یہ کہ تمہارے جوہر اسی سے نمایاں ہوں گے۔ معلوم ہو جائے گا کہ Who is Who? کس کے اندر کتنا جذبہ اور شوقِ جہاد تھا' کس کے اندر کتنا جذبۂ انفاق تھا! اس کے بغیر کیسے معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا مقام کیا ہے۔ انہی آزمائشوں سے ان کے جوہر کھلے ہیں' نکھرے ہیں' نمایاں ہوئے ہیں۔

آیۂ انقلاب

اب اس سورۂ مبارکہ کی آیت ۲۵ زیرِ مطالعہ آئے گی جسے میں ایک مستقل حصہ قرار دے رہا ہوں اور یہ درحقیقت اس پوری سورۂ مبارکہ کا نقطۂ عروج ہے۔ انقلاب جس شے کا نام ہے اس کی connotation کو آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے! انقلاب کہتے ہیں کسی اجتماعی نظام کو بدل دینا۔ ظاہر بات ہے کہ جو رائج الوقت Politico-Socio-Economic System ہے اس کو تلپٹ کریں گے' اس کا تختہ الٹیں گے تو کوئی اور نظام آئے گا۔ اس کے بغیر کسی دوسرے نظام کے لئے Existing System جگہ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوگا۔ انقلابی عمل میں وعظ' نصیحت' تلقین' تعلیم' تبلیغ' یہ سب اپنی جگہ پر بہت ضروری ہیں' اس کا نقطۂ آغاز یہی ہے' لیکن اس کے بعد ایک مرحلہ آتا ہے جہاں طاقت استعمال کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ تلقین و تعلیم' وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں تمام طبقات سے نیک سرشت لوگ تو بلاشبہ کھنچ آئیں گے' جیسے کہ مقناطیس لوہ چون کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے' اور برادہ باقی رہ جائے گا۔ لیکن یہ ''برادہ'' وہ لوگ ہیں جن کے رائج الوقت نظام کے ساتھ مفادات وابستہ ہیں۔ ہمارے معاشرے میں جاگیردار کا ایک اپنا مقام ہے' وہ پورے علاقے کا مالک اور بادشاہ سمجھا جاتا ہے اور وہاں پر بسنے والے باقی لوگ اس کے کمی کاری ہیں' وہ اس کی رعیت شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ جاگیردار کبھی بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتے

کہ جاگیردارانہ نظام ختم ہو جائے۔ اس کے لئے ظاہر بات ہے کہ بالآخر طاقت کا استعمال ناگزیر ہے۔ دراصل یہ بات کہتے ہوئے انسان جھجکتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ قتل وخون ریزی اور غارت گری کوئی اچھی بات نہیں ہے' طاقت اور اسلحہ کا استعمال کوئی مستحسن کام نہیں ہے' بس ٹھنڈی ٹھنڈی بات ہو جائے' اور بڑی ہی آسانی کے ساتھ صرف دعوت وتبلیغ سے کوئی انقلاب آ جائے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن قرآن مجید نے اس آیت مبارکہ میں اس تلخ حقیقت کو بالکل عریاں انداز میں بیان کر دیا ہے' تاکہ کوئی اشتباہ نہ رہ جائے' بات بالکل واضح ہو جائے۔ پورا انقلابی عمل آپ کو اس ایک آیت کے اندر مل جائے گا۔

سورۃ الصّف کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

اس آیہ مبارکہ کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے سے قبل یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ سورۃ الصّف کی چودہ آیات درحقیقت اس ایک آیت کی شرح اور تفصیل پر مشتمل ہیں۔ سورۃ الصّف چونکہ ہم پڑھ چکے ہیں لہٰذا اس کے مضامین کو ذہن میں تازہ کیجیے۔ اس کے شروع میں ڈانٹ ڈپٹ آئی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۞﴾

''اے اہل ایمان! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ طرزِ عمل سخت ناپسندیدہ (اور اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا) ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کو تو محبوب ہیں وہ بندے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر جنگ کرتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

اس سورت کا آغاز ہی قتال سے ہوا ہے۔ پھر چند آیات میں اہل کتاب کا تذکرہ آیا ہے۔ یہ گویا سورۃ حدید کے ان الفاظِ مبارکہ کی شرح ہوئی: ﴿وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ چنانچہ وہاں وضاحت

© rasailojaraid.com

آ گئی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا تھا' حضرت عیسیٰ کے ساتھ انہوں نے کیا کیا' اور جب محمد رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کس طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد آیت آ گئی:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

''وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کرے اسے کل کے کل دین پر۔ (پورے نظام زندگی پر یا تمام ادیان پر) چاہے یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار اور ناپسند ہو''۔

ان کی ناگواری کے علی الرغم یہ کرنا ہے! لیکن کریں گے کیسے؟ اہل ایمان میدان میں آئیں گے اور انہیں اپنی جانوں کا نذرانہ دینا ہوگا۔ فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اے اہل ایمان! کیا میں ایسی تجارت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟'' پختہ ایمان رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر' اور جہاد کرو اس کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو''۔

اگلی دو آیات میں پھر اس بہتری کی وضاحت کی گئی۔ ایک تو اللہ کے جو اخروی وعدے ہیں وہ بیان کر دیے گئے:

﴿یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝﴾

''وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے دامن میں ندیاں رواں ہوں گی' اور ابدی قیام کی جنتوں میں تمہیں بہترین گھر عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی''۔

اصل کامیابی تو یقیناً وہی ہے' اس لئے کہ مقصودِ اصلی تو آخرت ہے' اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے' البتہ ایک اضافی وعدہ یہ بھی ہے:

﴿وَأُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۖ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اور وہ دوسری چیز جو تمہیں محبوب ہے (وہ بھی تمہیں دے گا) اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبیؐ! اہل ایمان کو بشارت دے دیجئے!''

آخری آیت میں اللہ کی نصرت کی پکار ان الفاظ میں آئی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾

''اے اہل ایمان! اللہ کے مددگار بنو' جیسا کہ عیسٰی ابن مریم (علیہما السلام) نے حواریوں سے خطاب کر کے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ (جواب میں) حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!''

رسولوں کے ساتھ بھیجی گئی تین چیزیں

اب ہم اس آیہ مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ فرمایا: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ ''ہم نے ہی بھیجا اپنے رسولوں کو بیّنات کے ساتھ اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی''۔ سورۃ الصّف کی آیت ۹ ﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ اور سورۃ الحدید کی زیر مطالعہ آیت میں اسلوب کا یہ فرق ہے کہ وہاں واحد کے صیغے میں' تعین کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا مقصد بیان ہو رہا ہے' جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ کا عمومی قانون اجتماعی طور پر تمام رسولوں کے بارے میں بیان ہو رہا ہے۔ یہاں ایک رسول کی بات نہیں ہو رہی ہے' بلکہ یہ ایک قاعدہ کلیہ اور قانون ہے۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا﴾ ''ہم ہی نے بھیجا اپنے رسولوں کو''۔

اب یہاں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں جو رسولوں کے ساتھ بھیجی گئیں: ﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو یہ تین چیزیں دے کر

© rasailojaraid.

بھیجا: (۱) بیّنات (۲) کتاب' اور (۳) میزان۔ ان میں سب سے پہلی چیز ''بیّنات'' ہے۔ یہ لفظ اس سورۂ مبارکہ کے دوسرے حصے میں بھی آ چکا ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ﴾ (آیت ۹) ''وہی ہے جو اپنے بندے پر آیات بیّنات نازل کر رہا ہے''۔ اس کی میں وضاحت کر چکا ہوں کہ بیّن کہتے ہیں اُس شے کو جو اَز خود ظاہر ہو' خود نمایاں ہو' جس کو کسی اور دلیل کی حاجت نہ ہو' جس کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہ ہو ع ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!'' یہ لفظ عام طور رسولوں کے تذکرے میں معجزات کے لئے آتا ہے۔ کسی رسول کو جو معجزہ دیا جاتا تھا وہ گویا بالکل واضح کر دیتا تھا کہ یہ بات کسی انسانی صلاحیت اور طاقت سے وجود میں نہیں آ سکتی' یقیناً یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ جیسے کہ قومِ ثمود کو ان کے مطالبے پر ایک معجزہ دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اے صالح! ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اگر تم سامنے کی چٹان سے ایک گابھن اونٹنی برآمد کرا لو۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ یہ ماننے کو تیار ہیں' لہٰذا انہیں یہ معجزہ دکھا دیا جائے۔ اس پر چٹان شق ہوئی اور گابھن اونٹنی برآمد ہو گئی' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی اونٹنی (نَاقَةُ اللّٰه) قرار دیا' لیکن اس ناہنجار قوم نے پھر بھی نہیں مانا۔ چنانچہ وہ قوم ہلاک کر دی گئی' برباد کر دی گئی۔ معجزے کے آنے کے بعد بھی اگر قوم ایمان نہ لائے تو پھر اس کی ہلاکت ایک طے شدہ امر ہے۔

''میزان'' کا قرآنی تصور

''بیّنات'' کے ذکر کے ساتھ ہی فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ دو چیزیں مزید اُتاریں ـــــ ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ ''اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور میزان بھی''۔ کتاب کا لفظ تو عام فہم ہے' بالکل واضح ہے' سب سمجھ جائیں گے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی۔ لیکن یہاں میزان سے مراد کیا ہے؟ میزان ''وزن'' سے اسم آلہ ہے۔ اصل میں یہ ''مِفعال'' کے وزن پر ''مِوْزان'' ہے۔ ''وْ'' یہاں پر ''ی'' کی شکل اختیار کر گیا اور ''میزان'' ہو گیا۔ وزن کرنے کا آلہ یعنی ترازو کو میزان کہا جاتا ہے۔ لیکن توازن کئی قسم کا ہے۔ یہاں کس قسم کا

توازن مراد ہے جسے قائم کرنے کے لئے میزان اتاری گئی ہے؟ سورۂ رحمٰن کے درس کے دوران میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا تھا کہ اس کائنات کے اندر ایک آفاقی توازن ہے۔ تمام اجرامِ فلکی کے درمیان ایک بیلنس قائم ہے جس کا ذکر وہاں بایں الفاظ کیا گیا: ﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝﴾ ''آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کردی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو''۔ درحقیقت یہاں مراد وہ بیلنس ہے جو تمام اجرامِ فلکی کے درمیان ہے۔ یہ تمام ستارے اور سیارے جو فضا کے اندر گردش میں ہیں ان کے مابین کشش ان کے باہمی فاصلوں کی نسبت سے ہے۔ چنانچہ یہ ایک دوسرے کو اپنی طرف اس انداز سے کھینچتے ہیں کہ ہر کرہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ (۱)

اسی طرح انسان کو زندگی گزارنے کا جو نظام اللہ عطا فرماتا ہے وہ نظام ایک میزان ہے، جس میں حقوق و فرائض کا توازن ہوتا ہے کہ فلاں کا یہ حق ہے اور یہ اس کا فرض یا اس کی ذمہ داری ہے۔ حقوق و فرائض کے بارے میں ایک عمومی اصول یہ ہے کہ جہاں زیادہ ذمہ داری ہوگی وہاں اختیار بھی زیادہ ہوگا۔ چنانچہ حقوق اور فرائض میں اگر توازن ہوگا تو وہ معاشرہ صحیح رہے گا، اور اگر اس کے اندر عدم توازن راہ پا گیا تو اسی کا نام ظلم، عدوان، زیادتی اور ناانصافی ہے۔ تو درحقیقت اللہ تعالیٰ نے جو شریعتیں نازل فرمائیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں حقوق و فرائض کا توازن قائم رہے۔ مثلاً تین چیزوں کے اندر توازن کا معاملہ ایسا ہے کہ انسان کے لئے اس کا حصول آسان نہیں ہے۔

ان میں قدیم ترین مسئلہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان توازن کیا ہو۔ ظاہر بات ہے دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں، عورت مرد کی محتاج ہے اور مرد عورت کا

---

(۱) اجرامِ فلکی کے باہمی توازن کے بارے میں علامہ اقبال نے کیا خوبصورت بات کہی ہے۔

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں! (مرتب)

© rasailojaraid.

محتاج ہے، لیکن ان کے مابین حقوق وفرائض کا توازن نہیں ہو پاتا۔ یا تو عورت کو ملکیت بنالیا جاتا ہے، جوتی کی نوک سمجھا جاتا ہے، اسے یہ حیثیت دی جاتی ہے کہ نہ تو اس کے کوئی حقوق ہیں اور نہ ہی اس کا کوئی مقام ومرتبہ ہے ——— اور یا پھر عورت مرد کے بالکل شانہ بشانہ ہوکر اپنی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے، بلکہ قلوپطرہ کی صورت اختیار کر کے پورے پورے ملکوں کی قسمت کی نیا ڈبو دیتی ہے۔ چنانچہ ان کے مابین توازن کی ضرورت ہے۔ عورت بھی یقیناً انسان ہے، اس کے حقوق بھی ہیں، اس کے احساسات بھی ہیں۔ اس کا اپنا ایک مقام ہے، معاشرے کے اندر اس کی ایک حیثیت ہے۔ وہ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہے، اس کی عزت بھی ہونی چاہئے، لیکن اسے اس طرح کی آزادی نہیں دی جاسکتی کہ خاندانی نظام درہم برہم ہوکر رہ جائے۔ بلکہ حقوق وفرائض میں توازن پر مبنی ایسا معاشرتی نظام ہونا چاہئے کہ فیملی ایک منظم، مستحکم اور integrated ادارہ ہو، اس کے اندر نظم وضبط ہو۔ اس لئے کہ پورے معاشرے کے امن وسکون کا انحصار اسی ادارے پر ہے۔ معاشرہ خاندانوں کے مجموعے کا نام ہے۔ دس ہزار، بیس ہزار، دس لاکھ یا بیس لاکھ خاندان ہیں جن کا نام معاشرہ ہے۔ معاشرے کی اس عمارت کے اندر اگر ہر اینٹ مستحکم نہیں ہے، اگر ہر خاندان کا ادارہ منظم نہیں ہے تو معاشرے میں انتشار اور chaos ہوگا۔

لیکن یہ سب کیسے ہو؟ یہ کون طے کرے کہ عورت کے حقوق کیا ہیں اور فرائض کیا ہیں؟ اسی طرح مرد کے حقوق کیا ہیں اور فرائض کیا ہیں؟ یہ آسان کام نہیں ہے۔ اس عقدے کا حل کرنا آسان نہیں۔ اگر مرد نظام بنائے گا تو ظاہر بات ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کو سامنے نہیں رکھ سکتا۔ اس کی تو اپنی نفسیات ہے۔ اسے صرف اپنے احساسات معلوم ہیں، لہٰذا وہ لازمی طور پر اپنا پلڑا بھاری رکھے گا اور اگر عورت کو موقع مل جائے تو ظاہر بات ہے اس کو صرف اپنے احساسات کا پتہ ہے، وہ مرد کی حیثیت سے سوچ ہی نہیں سکتی، وہ اس کی کیفیات کو محسوس کر ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا وہ اپنا نظام بنائے گی۔ چنانچہ انسان محتاج ہے کہ وہ ایک متوازن نظام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

om

کرے جو سب کا خالق ہے۔

دوسرا پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ انفرادیت اور اجتماعیت میں کیا توازن ہو؟ دنیا میں کہیں تو ملوکیت اور آمریت کے زیر اثر totalitarian society قائم ہو جاتی ہے۔ کوئی آمر مطلق اقتدار پر مسلط ہے اور لوگوں کو کوئی حقوق حاصل نہیں۔ نہ وہ اظہار خیال کر سکتے ہیں' نہ جماعت بنا سکتے ہیں۔ اس طرح کی آمریت اور ملوکیت میں فرد کچلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس معاملہ یہ ہوتا ہے کہ مکمل انفرادی آزادی ہوتی ہے جو آج مغرب میں ہے کہ جو چاہے کرو' چاہے ننگے ہو کر بازاروں میں نکل آؤ۔ دو مرد باہم شادی کرنا چاہیں تو انہیں اس کی آزادی ہے۔ ہم جنسیت (Homo sexuality) کے حق میں دلائل کے انبار لگائے جا رہے ہیں اور لمبے چوڑے قوانین وضع کیے جا رہے ہیں۔ یہ دوسری انتہا ہے کہ فرد کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے اور آپ کو اس کی آزادی میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔ وہ جس طرح سے چاہتا ہے اپنی جنسی خواہش پوری کرے' آپ اسے روک نہیں سکتے۔ جب ایک مرد اور ایک عورت اپنی آزاد مرضی سے زنا کریں تو یہ جرم ہے ہی نہیں' البتہ اگر بالجبر زنا (rape) ہوا ہو تو وہ جرم ہے۔ ہر مرد و زن اپنے جسم کا مالک ہے' اسے اس پر پورا اختیار ہونا چاہیے' زیادہ سے زیادہ شوہر یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے حق پر دست درازی ہو گئی ہے۔ وہ جا کر سول کورٹ میں کیس کرے۔ اگر کسی کی بیوی اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص کے ساتھ تعلقات قائم کر لیتی ہے تو اس معاملے میں کوئی کریمنل کیس نہیں بنے گا۔ اب یہ آزادی کی انتہا ہے' جسے مادر پدر آزادی کہا جاتا ہے۔ مغربی معاشرہ اس انتہا کو نکل گیا ہے۔ اب فرد اور اجتماعیت میں کیا توازن ہو؟ یہ دوسرا نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے۔

انسانی معاشرے کا تیسرا پیچیدہ مسئلہ جو حال ہی میں پیدا ہوا ہے وہ مزدور اور سرمائے کے درمیان توازن کا ہے۔ یہ مسئلہ دراصل صنعتی انقلاب کے بعد پیدا ہوا ہے' اس سے پہلے یہ مسئلہ نہیں تھا۔ ایسے بڑے بڑے کارخانوں کا کوئی تصور ہی نہیں تھا کہ جن میں بیس بیس' تیس تیس ہزار آدمی کام کر رہے ہوں۔ لہٰذا بڑا سادہ سا مبادلہ ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ جس نے کھیت میں کام کیا' ہل چلایا اور گندم اگائی' وہ گندم کی کچھ مقدار لے کر اُس جولاہے کے پاس چلا جاتا جو کرگھے یا کھڈی پر بیٹھا کھدر بن رہا ہوتا اور گندم کے عوض اس سے کھدر لے لیتا۔ اس طرح دونوں کی ضرورت پوری ہو جاتی۔ یہ مبادلہ (بارٹر سسٹم) پر مبنی سادہ ترین معیشت تھی۔ لیکن اس کے بعد پھر سرمایہ وجود میں آیا۔ اب سونے کو کرنسی کا درجہ حاصل ہو گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ایک تولہ سونا برابر ہے اتنے من گندم کے۔ چنانچہ جس نے اپنے پاس سونا جمع کر لیا اس کے پاس طاقت ہے' وہ جب چاہے گا مارکیٹ کو destabilize کر دے گا۔ وہ جب چاہے گا گیہوں کی بہت بڑی مقدار خرید لے گا اور قیمت بڑھا دے گا اور جب چاہے گا اسے منڈی میں لے آئے گا۔ پھر ذخیرہ اندوزی اور دولت کا ارتکاز اسی سے شروع ہوا۔ کوئی شخص اپنے پاس کتنی گندم جمع کر سکتا تھا اور اسے کتنی دیر رکھ سکتا تھا؟ لیکن سونا تو آپ جتنا چاہیں اور جب تک چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ سونا خراب نہیں ہوتا' اس کا کچھ بگڑتا نہیں۔ ایچ جی ویلز نے بڑی خوبصورت بات لکھی ہے کہ انسان کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ کرنسی کی ایجاد سے وہ کتنی بڑی لعنت کا طوق اپنی گردن میں ڈال رہا ہے۔ اس کے بعد پیپر کرنسی آئی تو اس سے مزید کئی لعنتوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔ اس پیپر کرنسی کی بدولت آج پوری نوع انسانی کی معیشت کا حال شیش محل کی مانند ہے۔

لو سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا!

پھر یہ کہ بڑے بڑے کارخانے ہیں' جن کے مالک سرمایہ دار ہیں۔ یہاں مزدور اور سرمایہ دار کے درمیان ایک کشمکش چل رہی ہے۔ کارل مارکس کا سارا فلسفہ لیبر کی سرپلس ویلیو پر چلا ہے' جس کی بنیاد پر اتنا بڑا انقلاب آیا اور خون خرابہ ہوا۔ وہ سارا مسئلہ یہ ہے کہ مزدور اپنے حقوق کا اور سرمایہ دار اپنے سرمائے کا تحفظ چاہتا ہے۔ سرمایہ دار کارخانہ بند کر کے مزدور کو بے روزگار کر سکتا ہے۔ مزدور غریب کو معلوم ہے کہ اگر چار دن مجھے مزدوری نہیں ملی تو میرے گھر کے اندر فاقہ آ جائے گا' میرے بچے کے پینے

© rasailojaraid.c

کے لئے دودھ کہاں سے آئے گا؟ لہٰذا وہ کارخانے کے مالک کے رحم وکرم پر ہے کہ وہ اُسے جو اُجرت دے گا اس پر وہ کام کرنے پر مجبور ہے۔ یہ استحصال کی بدترین شکل ہے جو سرمایہ داری کی صورت میں مسلط ہے۔

تو یہ ہیں اصل میں تین مسائل جن میں حقوق وفرائض کے مابین توازن پر مبنی نظام سوائے اللہ کے کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ حقیقت ہے، جس کو اگر لوگ سمجھ لیں تو شریعت کی عظمت اور اہمیت سامنے آئے گی۔ اسی لئے شریعت کو میزان کہا گیا۔ یہاں میزان سے ترازو مراد نہیں ہے کہ اللہ نے آسمان سے ترازو اتاری' بلکہ یہ کہ اُس نے کتاب اتاری۔ اور کتاب کے ساتھ شریعت کا جو نظام اتارا ہے وہ حقوق وفرائض کا ایک متوازن' balanced' منصفانہ اور عدل وقسط پر مبنی نظام ہے جو اُس نے عطا کیا ہے۔

ارسالِ رُسل کی غرض وغایت

اب اس آیت کو پڑھئے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ''۔ یعنی معجزات اور براہین کے ساتھ۔ ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ ''اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور میزان (شریعت بھی)''۔ ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔ یہ ہے اصل میں اس آیت کی جان جو اِن الفاظ میں ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ کس لئے اتارا؟ رسول کس لیے بھیجے؟ کتاب کس لئے نازل کی؟ میزان کس لئے اتاری؟ تاکہ میزان نصب ہو! ــــــ اس لئے نہیں کہ کتاب کی تلاوت کرتے رہو اور ثواب لیتے رہو۔ یہ کتاب اس لئے آئی تھی کہ اسے قائم کرو۔ یہ میزان اس لئے دی گئی تھی کہ میزان نصب ہو۔ جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیعت خلافت کے موقع پر فرمایا تھا: ''لوگو! تم میں سے جو قوی ہے میرے نزدیک وہ ضعیف ہوگا جب تک کہ اس سے حق وصول نہ کرلوں اور جو ضعیف ہے وہ قوی رہے گا جب تک کہ اسے اس کا حق دلا نہ دوں''۔ یہ ہے اصل میں وہ نظامِ عدل و قسط جسے قائم کرنے کے لئے حضور ﷺ مبعوث ہوئے۔ چنانچہ آپ ﷺ سے فرمایا گیا: اے نبی کہہ دیجئے! ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾

(الشوریٰ:۱۵) ''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں!'' ـــــ دیکھو' مجھے تم واعظ نہ سمجھنا جو ٹھنڈا ٹھنڈا وعظ کہتا ہے' میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ ایک گاؤں میں وعظ سنایا تو کچھ ہار گلے میں ڈلوائے' کچھ حلوے مانڈے کھائے اور اگلے گاؤں چلا گیا' پھر وہاں وعظ کیا۔ میں وہ نہیں ہوں (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!) مجھے تو بھیجا گیا ہے اس لئے کہ میں عدل قائم کروں!

عدل کا مطلب کیا ہے؟ جو اپنے حق سے زائد لے رہا ہے اُس شیر کے منہ سے نوالہ نکالیں گے تو عدل ہو گا نا! اور کیا وہ اس کو پسند کرے گا؟ وہ تو مزاحمت کرے گا۔ چنانچہ عدل کو قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اسے عدالت والا عدل نہ سمجھئے۔ عدالت والا عدل تو یہ ہے کہ آپ کے ہاں جو بھی قانون رائج ہے اس کے تحت عدالت نے فیصلہ دے دینا ہے' اگرچہ وہ قانون ہی نامنصفانہ ہو۔ اگر اس نظام کی بنیاد ہی استحصال پر قائم ہے تو عدالت سے عدل کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ آپ نے تو چور کو سزا دے دی' کیونکہ آپ کے سول کوڈ میں لکھا ہوا ہے کہ جو چوری کرے گا اس کو یہ سزا ملے گی۔ لیکن آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ جس نے چوری کی ہے اس کا تعلق اُس طبقے سے تھا جس کا مسلسل استحصال ہو رہا ہے اور اس نے جا کر کسی جاگیردار کے گھر کے اندر نقب لگائی ہے تو جاگیردار کے پاس جو دولت ہے وہ جائز طریقے سے آئی تھی یا ناجائز ذرائع سے؟ عدالت ان امور سے بحث نہیں کر سکتی۔ عدالت تو صرف ملکی نظام کے تحت رائج قانون کے تحت فیصلہ کرے گی کہ اس نے چوری کی ہے اور اس کی چوری کی سزا اسے مل رہی ہے ـــــ جبکہ اصل شے نظام ہے۔ رسولوں کی بعثت عادلانہ و منصفانہ نظام (Politico-Socio-Economic System) قائم کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ اسی کے بارے میں یہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔

اس نظامِ عدل وقسط کا قیام اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر اہمیت رکھتا ہے اور اس پر قرآن حکیم میں کس قدر زور (emphasis) ہے اس کو سمجھانے کے لئے میں قرآن

حکیم سے چند حوالے پیش کر رہا ہوں۔

ہمارے دین میں سب سے بنیادی حوالہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں۔ اس کے ضمن میں سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (آیت ۱۸) ''اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف کا قائم کرنے والا ہے''۔ یہاں اللہ کی یہ شان اور یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ عدل و قسط قائم کرنے والا ہے۔ اُس نے روزِ جزا کا معاملہ رکھا ہی اس لئے ہے کہ عدل و قسط قائم ہو۔

دوسرا اہم معاملہ رسالت کا ہے۔ رسالت کی شان یہ بیان ہوئی ہے کہ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ اور یہ Generalised Statement ہے' تمام رسولوں کے بھیجنے کا مقصد یہی تھا۔ تمام کتابوں اور تمام شریعتوں کے نزول کا مقصد یہی تھا: ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تا کہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہوں''۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ اے نبیؐ! آپ ڈنکے کی چوٹ کہہ دیجئے کہ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ ''میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں''۔

اس کے بعد اُمت کا معاملہ آتا ہے۔ اُمت کے لئے جو بات سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ میں کہی گئی ہے وہ ایک ہی ہے' صرف ترتیب بدل گئی ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ (آیت ۱۳۵) ''اے ایمان کے دعوے دارو! (پوری قوت کے ساتھ) عدل و انصاف کو قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بن جاؤ! چاہے یہ بات تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف جا رہی ہو'' —— تمہیں عدل و انصاف کی بات کہنی ہے' یہ نہیں دیکھنا ہے کہ اس سے میری اپنی ذات کو یا میرے ماں باپ کو یا میرے خاندان اور رشتہ

© rasailojaraid

داروں کونقصان پہنچ جائے گا۔ جو بات عدل کی ہے وہ ڈنکے کی چوٹ کرو۔

یہی بات ذرا ترتیب بدل کر سورۃ المائدۃ کے اندر آتی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ﴾ (آیت ۸) ''اے اہل ایمان! اللہ کی خاطر عدل و انصاف کی گواہی دینے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ! اور دیکھنا کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل سے انحراف کرو۔ عدل کرو' یہ پرہیز گاری سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے''۔ مقدم الذکر آیت میں فرمایا گیا ہے کہ حق کی بات کہو چاہے وہ تمہاری اپنی ذات' تمہارے والدین یا تمہارے اپنے کنبے قبیلے کے خلاف جا رہی ہو۔ دوسری آیت میں وہی بات برعکس طور پر کہی کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل سے انحراف کرو۔ عدل سے کام لو' یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ یہ ہے عدل وقسط کی اہمیت جو قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہے۔ اور مطلوب یہ ہے کہ یہ عدل وقسط اجتماعی نظام کی شکل میں ہو۔

(اس موضوع پر' ان شاء اللہ العزیز' اگلی نشست میں گفتگو جاری رہے گی)

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وایاكم بالآيات والذكر الحكيم ○○

بقیه : حرفِ اول

سے دستبرداری کا فیصلہ کر چکے ہیں اور قومی سطح پر خودکشی پر تلے ہوئے ہیں۔

نصابِ تعلیم کی اصلاح یقیناً ضروری ہے۔ لیکن یہ اصلاح اس نقطہ نگاہ سے ہونی چاہئے کہ ہمیں اپنے قومی ہدف یعنی ''ایک فلاحی جمہوری اسلامی ریاست'' کی طرف پیش قدمی کرنی ہے اور اپنی نظریاتی جڑوں کو مضبوط بنانا ہے۔ ہمیں اس معاملے میں مفکر و مصور پاکستان کی تعلیمات کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا' جنہوں نے فرمایا تھا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

موجودہ حکمرانوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ قوم کی تقدیر کے فیصلے اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے پارلیمنٹ میں ان اہم معاملات کو غور و فکر اور فیصلے کے لئے پیش کریں۔ ورنہ پوری قوم کی تباہی و بربادی کا جرم موجودہ حکمرانوں کی گردن پر آئے گا۔ ○○